© rasailojaraid.com



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اشارات

قومی سیرت کانفرنس کا راولپنڈی میں انعقاد (۲۰ - ۲۱ فروری) حکومت اور محکمۂ امورِ دینیہ کا ایک مبارک کارنامہ ہے۔ مبارک کارنامہ نہ صرف موضوع کے لحاظ سے، بلکہ اس وجہ سے بھی کہ سالِ رفتہ کی سیرت کانفرنس کے مقابلے میں اس کانفرنس کا رنگ بہت مختلف تھا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ پورا نقشہ ہی تبدیل ہو گیا ہے۔ کسی معاشرے میں تبدیلی جب آئے تو اس کے اثر سے زندگی کے ہر شعبے اور دائرے میں افراد کے رویّوں اور حکومت کی پالیسیوں کو بدل جانا چاہیے، بلکہ خود مردانِ کار کی ساری ترتیب دگرگوں ہو جاتی ہے۔ بہرحال زندگی کے دوسرے شعبوں سے قطعِ نظر، قومی سیرت کانفرنس کے داعیان اور مدعوئین، مختلف نشستوں کے اصحابِ صدارت اور مقالہ نگار سب کچھ پہلے سے مختلف تھا۔

حکومت اور محکمۂ امورِ دینیہ کے سر ایک اچھے کام کا سہرا باندھنے میں ڈاکٹر امین اللہ وثیر کا حصہ بے حد نمایاں تھا، جو متذکرہ محکمے کے ڈائرکٹر جنرل اور سیرت کانفرنس کے داعیان و منتظمین میں پیش پیش تھے۔ ڈاکٹر صاحب سے اگرچہ بالمشافہ ملاقاتیں کم ہی ہوئیں، مگر میری معلومات یہ ہیں کہ موصوف نے اپنے اب تک کے دور میں علمی، تعلیمی اور دینی حیثیت سے دین و وطن کی بہترین خدمات بڑے صاف ستھرے کردار کے ساتھ ادا کی ہیں۔ یوں تو سیرت پاک کا موضوع ہی ایسا ہے کہ اس کی دعوت پر لبیک کہنا باعثِ ثواب ہے، مگر چونکہ میرا تجربہ و مشاہدہ یہ ہے کہ سیرت النبیؐ کے اسٹیج سے بسا اوقات غلط قسم کے رجحانات اچھالے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے میری نظر اس بات پر رہتی ہے کہ مرکزی کارپرداز کون ہے۔ دعوت نامہ چونکہ ڈاکٹر امین اللہ وثیر کا جاری کردہ تھا۔ اس لیے میں نے کسی تامل کے بغیر پورے اعتماد سے اُسے قبول کر لیا۔

---

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلی نشست چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق صاحب کے افتتاحی خطاب کے لیے مخصوص تھی۔ یہ جذبہ انگیز تقریر اخبارات میں آ چکی ہے۔ اس تقریر نے سامعین کے اندر نظامِ اسلامی کی تمنا کے چراغوں کی لَو اُمید کا تازہ روغن ڈال کر بڑھا دی۔

باقی نشستوں میں تقریباً چالیس مقالہ نگاروں کو اپنی اپنی فکر و تحقیق کا ماحصل اپنے پسندیدہ موضوعات کے مطابق پیش کرنا تھا۔ فہرست دیکھی تو بہت سی شخصیتیں جانی پہچانی تھیں، بعض سے غائبانہ تعارف بھی تھا۔ کچھ لوگ نئے بھی تھے جن میں "خواتین" زیادہ اور "حضرات" کم تھے۔ ڈاکٹر اے وحید قریشی، ڈاکٹر اے ڈبلیو جے ہالیپوتا، ڈاکٹر مجیب الرحمٰن پشاور، پروفیسر کرار حسین (جن سے ریڈیائی لہروں کی معرفت شناسائی تھی)، مولانا محمد ایوب جان بنوری، ڈاکٹر محمد باقر، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، پروفیسر مرزا محمد منور، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، پروفیسر حافظ احمد یار، مولانا تقی عثمانی، صاحبزادہ پیر محمد کرم شاہ، پروفیسر بیگم زینب کاکاخیل اور جناب اے کے بروہی (پہلے روز کی دو نشستوں کے صدر) ایسے اصحاب ہیں جن سے یا تو ملاقات کا موقع ملا، یا اُن کے مقالات سُنے۔ بعض مدعوئیں مثلاً مولانا مفتی محمد حسین نعیمی، حکیم محمد اشرف، ڈاکٹر اسرار احمد دیکھنے میں نہیں آئے۔ شاید کسی ایسی نشست میں پہنچے ہوں جس میں مَیں حاضر نہ ہو سکا۔ اسی طرح ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کی معذرت کی اطلاع مجھے مل گئی تھی۔ کانفرنس میں ایسے اہلِ ایمان و شعور حضرات کا غلبہ دیکھ کر اُمید بندھی کہ بُڑھی باتیں کرنے والوں کے لیے میدان تنگ و تار خاصا تنگ ہے۔

جن مقالات یا تقاریر سے استفادہ کرنے کا مجھے موقع ملا، ان میں خاص اہمیت جناب اے کے بروہی، پروفیسر مرزا محمد منور، مولانا تقی عثمانی، پروفیسر بیگم زینب کاکاخیل، حافظ احمد یار کے افکار کو حاصل ہے۔ پھر بطورِ خاص مَیں جناب کرار حسین کے صدارتی خطاب کو اہمیت دیتا ہوں۔ وہ بڑے ٹھہراؤ سے بولے، جذبۂ ایمانی کے ساتھ فلسفہ کا رنگ جھلکتا تھا۔ تکلّم بڑے وقار سے جاری رہا۔ بیان میں کشادہ دلی اور مطالب میں بڑی وسعت نمایاں تھی۔ جن دل پسند اصحاب کو نہیں سُن سکا، اُن کے بارے میں تو کیا کہوں، البتہ جن حضرات جنہیں سُنا، اُن کے مقالات کا مجلس پر گہرا اثر دیکھ کر یہی رائے دے سکتا ہوں کہ مجلس پر انہی اہلِ دل و نظر کا رنگ غالب رہا۔

فالحمد للہ علیٰ ذٰلک!

---

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر مغربیت کے پرورش کردہ انتشاری رجحانات نے بھی سیرتِ طیبہ کے اسٹیج پر اپنی کچھ نہ کچھ جھلکیاں دکھا ہی دیں۔ اور آفرین ہے۔ کج فکر عناصر کی جرأت پر کہ وہ نہ کسی مجلس کی فضا کو دیکھتے ہیں، نہ غالب رجحانات کی پروا کرتے ہیں۔

نشست دوم کے لیے ہم جمع ہوئے تو مقالات کے اعلان شدہ پروگرام کے بجائے یکایک ایک اعلان ہوا کہ مس فلاں اور بیگم فلاں میجک لنٹرن کے ساتھ سیرت کے متعلق ایک پروگرام پیش کریں گی۔ تمام چہرے سوالیہ نشان بن گئے کہ بیچ میں یکایک یہ پروگرام کدھر سے آگیا ہے اور اعلان شدہ پروگرام کیوں مؤخر کر دیا گیا ہے۔

خیبر ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل کے زیر استعمال ہال کی زیادہ روشنیاں گل کر دی گئیں، صدرِ مجلس جناب ... اُٹھ کر ... بروہی اور اسٹیج سیکرٹری اور اُن کے معاون نیچے آکر ہمارے ساتھ بیٹھ گئے، کیونکہ میجک لنٹرن کی تصاویر دکھانے کے لیے پردہ سفید کرسیِ صدارت کی پیچھے کی دیوار پر آویزاں کیا گیا تھا۔ اب پروگرام شروع ہوا جو اس طرح مرتب کیا گیا تھا کہ ایک کارکن میجک لنٹرن کو ہینڈل کر رہے تھے، ہر تصویر آنے پر ایک نوجوان صاحبزادی ڈائس سے ڈرامائی مکالموں کی طرح یاد کیے ہوئے چند جملوں پر مشتمل ایک مختصر سی تقریر کرتیں، پھر اُن کے قریب بیٹھی ہوئی ایک خاتون نہ صرف کھلے چہرے کے ساتھ، بلکہ میک اپ کے ساتھ فنی مہارت سے کوئی ایک نعتیہ شعر پڑھتیں، پھر نئی تصویر آتی اور پھر وہی چکر چلتا۔ میجک لنٹرن کی یہ مصیبت کہ اس میں خرابی تھی اور صرف بیت اللہ، مسجد نبوی، مسعیٰ اور مسجد ذوقبلتین کی تین چار تصاویر ہی سامنے آسکیں اور وہ تصاویر بھی فنی معیار کے لحاظ سے معمولی تھیں۔ صاحبزادی جو جملے بولتی تھیں اُن میں تصنع کا رنگ غالب تھا۔ مزید ستم یہ کہ تلفظ کی نہایت فاش غلطیاں۔ سیرت کے بارے میں جو مواد پیش کیا گیا اس کی سطح بس یہ تھی کہ کسی سکول میں طلبا یا طالبات کو کچھ عام سی معلومات مل جائیں۔ شرکائے مجلس دو چار منٹ کے بعد "بور" ہونے لگے، مگر معاملہ سیرت کا تھا لہٰذا خاموش بھی رہے۔ اپنا حال تو یہ تھا کہ جیسے اعصاب چند ہی لمحوں میں چُور چُور ہو جائیں گے۔ ستم ظریفی کی حد ہے کہ یہ سمعی و بصری پروگرام آدھ پون گھنٹے تک طول پکڑ گیا، حالانکہ فاضل مقالہ نگاروں سے وقت کی قلت کے پیش نظر دس دس منٹ میں اپنے اپنے مقالات کا محض تعارف کرا لینے پر اکتفا کرنے کی درخواست بار بار کی گئی۔ آخر اس چکر سے نجات دلانے کے لیے نماز کام آئی۔ نماز کے وقت کا مطبوعہ پروگرام میں جو اندراج تھا، اس کے مطابق منتظمین نے نشست کے خاتمے کا اعلان کر کے علما، اور ڈاکٹروں اور پروفیسروں کی جان بخشی کرائی، ورنہ وہ سب یہاں سے مڈل اسکول کے طلبہ بن کے اُٹھتے۔ خاتمہ جس خاموشی اور اداسی کے ساتھ ہوا، اور پھر سب لوگ اپنے آپ کو سمیٹتے ہوئے جس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے تابی سے دل سے نکلے، اس سے بہتر داد اس ستم ظریفی کی کیا ہو سکتی تھی[1]

---

بعدہٗ چند اچھے مقالات کے خلاصے سن کر جی خوش ہو گیا۔ ایک صاحب[2] نے انگریزی میں اپنے مقالے کے چند اقتباس سنائے جو اجتہاد کے موضوع پر تھے۔ اندازِ بیان اشاراتی سا تھا، معلوم ہوتا تھا کہ صراحت سے گریز کیا گیا ہے۔ ان اقتباسات کو سن کر یہ تاثر ہوتا تھا کہ اب انسانیت عقلی بلوغ کے جس دَور میں داخل ہو چکی ہے اس میں وحی کے متعین حدود سے زیادہ وسیع دائرے میں سوچنا ضروری ہو گیا ہے۔ اجتہاد کے متجددانہ تصورات پہلے بھی اس ملک میں بار بار وضاحت سے لائے جا چکے ہیں، اور ان تصورات میں سے کسی نے جڑ نہیں پکڑی۔ تاہم اس مضمون کو سن کر قدرے کوفت ہوئی۔ اس قسم کے مباحث اگر کسی کو اُٹھانا ہی ہوں تو کسی بھی ہال اور کسی بھی جریدے میں اُٹھائے جا سکتے ہیں، آخر تذکرۂ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مجالس ہی کی فضا کو کیوں غبار آلود کیا جائے۔ یہاں لوگ فلسفہ ہائے جدت سننے کے لیے جمع نہیں ہوتے تھے، یہاں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی چھاؤں میں انسانیت کے معیاری نمونے کی سوانح و سیرت اور تعلیم و پیغام کی یاد تازہ کرنے کے لیے اہلِ دل اور اہلِ دماغ دُور دُور سے آئے تھے۔ مغرب کے نفوذ کردہ ترقی و جدت کے فلسفوں کے لیے اپنے شگوفے چھوڑنے کو معاشرے کی بہت سی پہنائیاں موجود تھیں۔

فاضل صدرِ مجلس کے دل میں بھی احساس کی لہر اُٹھی، اور انہوں نے فرمایا کہ صاحبِ مقالہ کو اپنے یہ خیالات کھل کر اُردو میں پیش کرنے چاہئیں تھے، اور بعد کی صدارتی تقریر میں انہوں نے اس خوبی سے سلسلۂ نبوت، ضرورت وحی، انسانیت کے عقلی بلوغ اور مسئلہ اجتہاد کو مثبت انداز میں پیش کیا کہ بے اختیار اُن کے لیے دعائیں دل سے اُٹھیں۔

---

[1] سیرت پاک کو کھیل تماشے کے رنگ میں پیش کرنے پر مجھے جو غم آمیز اضطراب ہوا، اس کے دباؤ کی وجہ سے مجلس سے اُٹھتے اُٹھتے یہ جملہ معتدل سی آواز میں میری زبان پر آ گیا۔ (THE CLASS IS VERY THANKFUL

(FOR SUCH A GOOD LESSON

[2] میں نے بعض وجوہ سے دانستہ اس طرح کے تمام نام حذف کر دیے ہیں۔ کیونکہ مسئلہ کسی کی ذلت کا نہیں، ایک قابلِ احترام موضوع کے تقاضوں اور اساس پر پیش کیے جانے والے غلط مواد کا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک اور صاحبہ بھی اپنا کام کر گئیں۔

بظاہر وہ یہ بحث لے کے آئی تھیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کا مرتبہ بہت بلند کر دیا۔ مگر وہ بلندیٔ رتبہ کا کچھ ویسا ہی مفہوم سمجھتی تھیں جیسا کہ دورِ حاضر کی مادہ پرستانہ تہذیب نے پھیلا دیا ہے۔ چنانچہ وہ اسی گھسے پٹے قصے کو لے بیٹھیں جسے جدت طرازوں نے کئی بار یہاں چھیڑا، مگر بات بنتی نہیں۔ محترمہ نے سکینہ بنت حسین کا تذکرہ کیا کہ وہ ثقافتی لحاظ سے بڑا رتبہ بلند رکھتی تھیں اور موسیقی کی فن کار ہی نہیں، استاذ تھیں۔ گویا (نعوذ باللہ) چمنستانِ محمدی ایسے ہی گل کھلانے کے لیے آراستہ ہوا تھا۔ کسی کو اس سلسلے میں دادِ تحقیق دینی ہو تو وہ یہ دکھا دے کہ آیا حضورؐ کو ذوقِ موسیقی تھا یا عمر بھر میں چار چھ بار انہوں نے راگ رنگ کی محفلوں میں شرکت کی، یا کتنے موسیقی کے ماہرین و ماہرات عہدِ سعادت اور خلافت راشدہ کے چار ادوار میں پیدا ہوئے۔ (خدا اس قسم کی مجبورانہ گفتگو پر بھی مجھے معاف کرے) تاریخ کے یہ سارے ورق الٹ کر یکایک ایک نام سکینہ بنت حسین کا اچھال دیا جاتا ہے جسے سن کر مطالعہ سے محروم لوگ اس مغالطے میں پڑ جاتے ہیں کہ (خدا معاف کرے) یہ امام حسین کے گھرانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ حضورؐ پر ایمان رکھنے والوں کی ذمہ داری تو لبسا بلند ہے، علمی و تحقیقی میدان میں قدم رکھنے والوں کو دورِ جدید کے پروپیگنڈا کے انداز میں لوگوں کو مغالطوں کا شکار بنا کر اُلّو سیدھا نہیں کرنا چاہیے۔ حقیقت یوں ہے کہ یہ نام ''سکینہ'' نہیں، بلکہ ''سُکینہ'' ہے اور حُسین سے مراد سیدنا امام حسین نہیں، بلکہ بعد کی ایک عام شخصیت ہے۔ اب جس صاحبہ مقالہ و تحقیق کو اپنے پیش کردہ کسی تاریخی نام کا تلفظ ہی معلوم نہ ہو، اس پر تحقیق کی تہمت چسپاں کرنا ہی زیادتی ہے۔ اس سے بڑی زیادتی یہ ہے کہ یہ صاحبہ اہلِ علم کے ایک مجمع کو سیرتِ پاک کے اسٹیج سے خطاب فرماتی ہیں۔ پھر یہ قصہ کسی مستند تاریخی ماخذ سے نہیں لیا گیا بلکہ غالباً خاتونِ موصوفہ نے تو حوالہ بھی بیان نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے مقالۂ عالیہ میں کچھ اندراج کیا ہو۔ یہ قصہ کتاب الاغانی سے لیا گیا ہے جو تاریخ کی کتاب نہیں، بلکہ ادب و ثقافت کے مختلف پہلوؤں پر اس میں رطب و یابس قسم کے لطائف و کثائف جمع کیے گئے ہیں، خصوصاً بنوامیہ اور بنو عباس کے ادوار اس میں منعکس ہیں۔ اس کتاب کا درجہ الف لیلہ سے ذرا سا بلند ہے، مگر کتبِ تواریخ سے بہت فروتر۔ خدا کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور تلقینات کی بات کرنی ہو تو اصل بنا قرآن اور احادیث اور امہاتِ کتبِ سیرت پر رکھنی چاہیے۔ کوئی استفادہ ہوتا تو موطا، یا بخاری سے ہوتا، کوئی تذکرہ بیان کیا جاتا تو اس کی بنیاد ابن اسحٰق اور ابن ہشام، یا طبری اور بلاذری کی مستند روایات پر ہوتی۔ یہ کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شک ہے کہ بیان ہو رسولؐ پاک کے مقرر کردہ مرتبۂ نسائیت کا اور قصہ سنایا جائے کتاب الاغانی میں سے ۔ مگر خاتون اس قسم کے احساسات سے بہت بلند ہو کر اپنی پسندیدہ فضا میں اُڑتی چلی جا رہی تھیں ۔ میرے قریب بیٹھے ہوئے ایک دوست کچھ مضطرب سے ہو گئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ اب اس کا توڑ کیا ہو سکتا ہے ۔ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ سوالات کے وقفے میں ان سے صرف حوالہ پوچھ لیجیے ۔ بس اتنا ہی کافی ہے ۔ چنانچہ مقالہ کی تلخیص پیش کر کے وہ سدھارنے لگیں تو میرے ہم نشیں نے پوچھ ہی لیا کہ محترمہ آپ کے بیان کردہ قصے کا حوالہ کیا ہے ؟ اس پر وہ کہنے لگیں کہ بس اب جانے بھی دیجیے ، یہ کہتے کہتے وہ اسٹیج سے اُتر گئیں اور اسٹیج سیکرٹری نے اگلے مقالہ نگار کا نام پکارا ۔ اصل میں مجمع بھی اُن صاحبہ کی گفتگو سے اتنا اُکتایا ہوا تھا کہ لوگوں نے یہی غنیمت سمجھا کہ نجات ہوئی ۔ جان بچی سو لاکھوں پائے ۔

---

ایک چیز اور دوسرے روز دوپہر کے قریب دلچسپ رہی ۔

پروفیسر حافظ اللہ یار صاحب نے پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے نظامِ تعلیم و تربیت پر مقالہ پڑھا ۔ حافظ صاحب مطالعہ رکھتے ہیں ۔ اور وادیٔ تحقیق میں بھی لیلیٰ معنی کے محمل کا تعاقب کرتے ہیں ۔ قدرتی طور پر ان کی بات کو وزنی اور مؤثر ہونا چاہیے تھا اور وہ تھی ۔

انہوں نے مقالہ ختم کیا تو حسبِ اعلان مجمع کو دعوتِ سوالات دی گئی ۔ مجھ سے ڈیڑھ گز کی دُوری پر اگلی قطار میں ایک نوجوان بیٹھے تھے ، وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے سوال پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ اس بات کی اوّلیت اسلام ہی کو حاصل ہے کہ نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں دنیا میں مخلوط نظامِ تعلیم کا آغاز ہوا ، چنانچہ بعض خواتین سے مردوں نے اور بعض مردوں سے خواتین نے علم حاصل کیا ۔ لیکن آپ کے مقالے سے بالکل دوسرا ہی تاثر حاصل ہوتا ہے ۔

سلسلۂ گفتگو کو ذرا ایک طرف چھوڑ کر آپ ذرا انحرافی ذہنوں کی جسارت دیکھیے کہ بجائے اس کے کہ وہ دَورِ نبوت اور دَورِ خلافت راشدہ کی عمرانیاتی خصوصیات کو تسلیم کر کے اس طرح کی باتیں کریں کہ نئے زمانے کی کچھ نئی ضروریات ہیں ، اور شریعت ہر زمانے کے لیے ہے ، لہٰذا اجتہادی طور پر ہمیں مخلوط تعلیم اور بے پردہ معاشرت کے لیے راستہ نکالنا ہی ہو گا ، اُلٹا اب انہوں نے یہ نیا انتہا پسندانہ اور جارحانہ موقف ڈھونڈ نکالا ہے کہ مخلوط تعلیم کا تو راستہ ہی ہمارے نبیؐ نے کھولا تھا ۔ اب اس جارحانہ دعوے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مقابلے میں کرتے رہیے مدافعانہ استدلال ۔ بحث و اختلاف میں حریف کی مہارت کی ایک شکل یہی ہوتی ہے کہ وہ مثبت موقف رکھنے والے داعیانِ حق کو دھکیل کر مدافعانہ مقام تک لے جائیں ۔ یہی حربہ ایک نوجوان نے ایک پختہ سال استاذ کے خلاف استعمال کیا ۔

مگر حافظ صاحب نے اپنے ایمان اور مطالعہ و زورِ استدلال کی سرشاری میں بڑے سادہ سے اسلوب میں جواب دیا اور انہوں نے فضا صاف کر دی ۔ حافظ صاحب نے دو باتیں کہیں : ایک یہ کہ میں نے جو بحث کی ہے اس کا تعلق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اور اسوہ و تعلیم سے ہے ۔ بعد کے رنگا رنگ ادوار بالکل الگ چیز ہیں ۔ ہمارے لیے اموی اور عباسی یا کسی اور زمانے کو دینی حیثیت سے مثال نہیں قرار دیا گیا ۔ دوسری بات یہ تھی کہ دورِ نبوتؐ اور دورِ خلافت راشدہ کے بعد بھی حالات کے بگاڑ کے باوجود تابعین اور تبع تابعین کے ہاں ایسا کوئی تعلیمی نمونہ نہیں ملتا ہے کہ مرد اور عورتیں ایک بنچ پہ بیٹھ کر تعلیم حاصل کریں، یا عورت بہ حیثیت استاد اور بہ حیثیت شاگرد مردوں کے سامنے کھلے چہرے کے ساتھ آئے ۔ جن خواتین نے مردوں کو تعلیم دی انہوں نے بھی پردے میں بیٹھ کر دی ، اور جنہوں نے مرد اساتذہ سے پڑھا سیکھا انہوں نے بھی حجاب و نقاب کا پورا اہتمام کیا ۔

پھر حافظ صاحب نے بطور جملہ معترضہ یہ بھی فرمایا کہ ہمارے نبی کی تعلیم یا ہمارے دین کا مقرر کردہ طریقہ جو کچھ ہے اس پہ آخر شرمانے کی کیا ضرورت ہے ۔ دُنیا میں اور بھی قومیں ہیں اور ساری دنیا سے مختلف اپنے اطوار و اقدار کو مضبوطی سے لے کے چلتی ہیں ۔ مثلاً اسرائیل کے پروٹوکول میں یہ بات شامل ہے کہ پوری ریاست میں لحم خنزیر ( PORK ) نہیں ملے گا ۔ باہر سے سفیر اور سیاح اور کاروباری اصحاب ہزاروں کی تعداد میں جاتے ہیں لیکن کوئی شخص نہ سرکاری ضیافتوں اور مہمان خانوں میں، نہ ہوٹلوں اور ریسٹورانوں میں کہیں بھی ایک شئے ممنوعہ کو نہیں پا سکتا ۔ کوئی بڑے سے بڑا آدمی نہ اس کا مطالبہ کر سکتا ہے ، اور نہ اس کمی پہ اسرائیل کو فرسودگی اور رجعت پسندی کا طعنہ دیتا ہے ۔ دوسری مثال انہوں نے سعودی حکومت کی دی کہ ان کے سربراہان جب بھی انڈیا میں گئے تو کسی نے گاندھی جی کی سمادھی پر جا کر پھولوں کی چادر نہیں چڑھائی اور نہ اُن سے ایسی اُمید رکھی ، نہ کوئی شکایت ہی پیدا ہوئی ۔ کوئی شخص یا قوم اگر اپنے مسلک و شعار کو اعتماد کے ساتھ اختیار کرے اور اعتماد کے ساتھ دوسروں کے سامنے رکھ دے تو اس سے کچھ نہیں بگڑتا ۔ اسی طرح اگر پاکستان میں بھی مخلوط تعلیم و معاشرت کا انسداد کر دیا جائے تو جھینپنے شرمانے کی ضرورت ( باقی بر صفحہ ۴۴ )

© rasailojaraid.com